۱۹۳۶ء

شہیدِ معرکۂ جہد و ارتقا ہے حسین ۔۔۔ نشانِ عظمتِ حق مثلِ مصطفےٰ ہے حسین
بشر کے بھیس میں قرآنِ کبریا ہے حسین ۔۔۔ قسم خدا کی عجب بندۂ خدا ہے حسین
عمل سے جیت لیا عزم کی لڑائی کو
سرِ بریدہ سے سر کر لیا خدائی کو

عمل حسین سے ہے زندگی حسین سے ہے ۔۔۔ دلوں کا درد۔ دلوں کی خوشی حسین سے ہے
عروجِ مرتبۂ بندگی حسین سے ہے ۔۔۔ کہ آدمی، بخدا آدمی حسین سے ہے
بغیر جس کے، رسالت کے دل کو چین نہیں
حسین، بعد میں جس کے کوئی حسین نہیں

حسین پیکرِ انسانیت کی جاں تو ہے ۔۔۔ زمینِ صبر و تحمل کا آسماں تو ہے
نہ صرف دینِ محمد کی عزّ و شاں تو ہے ۔۔۔ رہِ حیات میں سالارِ کارواں تو ہے
جہاں کو خوابِ فنا سے جگا دیا تو نے
بقا کے واسطے مرنا سکھا دیا تو نے

زہے یہ جذبۂ ہمت، یہ ذوقِ بیداری ۔۔۔ نہ ہونے دی بشریت کی ذلّت و خواری
چلا جو رن کو سجا کر سلاحِ خود داری ۔۔۔ سپاہِ ظلم کی تیغوں کو کر دیا عاری
جتا دیا کہ اجل حُریت کا زیور ہے
دکھا دیا کہ غلامی سے موت بہتر ہے

بیاں ہوں کیا ترے اوصاف لے سخن کے دھنی ۔۔۔ بڑھی دفاع کی حد سے نہ جس کی تیغ زنی
امیر و فاقہ کش و قانع و صبور و غنی ۔۔۔ مرقعِ حَسَناتِ پیمبرِ مدنی
خودی سے دور۔ خدا سے قریب تھا واللہ
غریب تھا۔ پہ عجیب و غریب تھا واللہ

بقا کو ظلم کے طوفاں میں تو فنا سمجھا
فنا کو جادۂ انصاف میں بقا سمجھا
تمدن اور تعاون کا مدعا سمجھا
کہ اپنے درد کو سب خلق کی دوا سمجھا

دیا تھا ظلم کا آدم نے گو سبق پہلا
مگر کتابِ عمل کا ہے تو ورق پہلا

حیات وہ کہ نہ تھا خوفِ مرگ دامنگیر
وفات وہ، دمِ عیسیٰ کی جس میں تھی تاثیر
صفات وہ، بشریت کی جن سے ہو تعمیر
ثبات وہ، کہ مصائب کو کر لیا تسخیر

لیے تھا توسنِ ہمت کی باگ پنجے میں
اجل کو داب لیا صبر کے شکنجے میں

ہزار غم میں بھی حالت کبھی تباہ نہ کی
وفا کی چاہ میں اولاد کی بھی چاہ نہ کی
بچھڑ گیا پسرِ نوجواں پر آہ نہ کی
پلٹ کے لاش پہ حسرت بھری نگاہ نہ کی

نہ غم کیا نہ بکا کی نہ اضطراب کیا
حسین، تو نے تو فطرت میں انقلاب کیا

تجھی سے ہے بشریت کی زیب و زین حسین
تو ہی تو ہے دلِ انسانیت کا چین حسین
نہیں ہے تیری ولا جن کا فرضِ عین حسین
زباں پہ اُن کی محرم میں ہے حسین حسین

زمانہ سمجھا ہے کچھ کچھ پیام کو تیرے
ابھی تو اور ابھرنا ہے نام کو تیرے

کسی بلا میں بھی ہمت نہ تو نے جب ہاری
دلوں میں کر گئی گھر یہ تری جگر داری
نہ کی جو تو نے مصائب میں گریہ و زاری
شریکِ غم میں ترے خلق ہو گئی ساری

عدو بھی تیری شہادت کے راز کھولتا ہے
یہ خون وہ ہے کہ جو سر پہ چڑھ کے بولتا ہے

حسین تیری شہادت پیامِ ہستی ہے
شباب و شیب ترا صبح و شامِ ہستی ہے
ترے وجود سے محکم نظامِ ہستی ہے
نظامِ ہستی و دورِ دوامِ ہستی ہے

تری بقا کے ہیں دن بے شمار بے حد سال
کہ جس کی ایک گھڑی ہیں یہ سیزدہ صد سال

حسین پاتے ہیں تو نے علی کے سب انداز
حسین تجھ میں ہے سب سیرتِ رسولِ حجاز
حسین تو ہے خدا کا وہ عاشقِ جاں باز
قضا نہ ہونے دی جس نے دمِ قضا بھی نماز
وہ تھی نماز کہ خالق سے ناز کی باتیں
وہ بے نیاز سے راز و نیاز کی باتیں

قلم ہوا دمِ سجدہ جو فرقِ نورانی
یہی ہے نقطۂ اوجِ کمالِ انسانی
عدو بھی کہتے ہیں سن سن کے شانِ قربانی
حسین تو ہے بشر کا شعورِ روحانی
علی کا فخر ہے تو شاہِ انبیا کی قسم
نہیں کسی میں یہ مظلومیت خدا کی قسم

ہے یادگار جو تیرے جہاد کا احوال
وہ حرب و ضرب نہ تھی بر بنائے غیظ و جلال
جہاں کو بلکہ جتانا یہ تھا دکھا کے کمال
علی کی ہم میں ہے طاقت رسول کا اجلال
کسی کے خوف سے کب دل پہ جبر کرتے ہیں
یہ شان رحم و کرم ہے کہ صبر کرتے ہیں

کبھی تھا صبر سے تیرے عدو کا دل بے کل
کبھی جبیں کی شکن سے تھی فوج میں ہلچل
مدبروں میں سیاست تری ہے ضربِ مثل
کہ نرم و گرم تھے تیور بمقتضائے محل
وہ پند و وعظ رسولِ قدیر کی صورت
وہ حرب و ضرب جنابِ امیر کی صورت

جہاں میں تیری شہادت سے حق ہے وابستہ
ریاضِ دیں کا ہے تو اک جمیل گلدستہ
ہوا تھا قافلۂ کائنات دل خستہ
دکھا دیا ترے مقتل نے عزم کا رستہ
حیات کو وہ پیامِ عمل دیا تو نے
نظامِ فکر و نظر کو بدل دیا تو نے

حسین تیری شہادت ہے انقلابِ اُمم
ہے تیرے ہاتھ میں عزم و ثبات کا پرچم
ترے وجود کی یہ عظمتیں۔ خدا کی قسم
جبینِ وقت ہے اب تک تری جناب میں خم
مٹے گا خود۔ جو مٹانے کا عزم کرتا ہے
یہ ذکر وہ ہے کہ جتنا دبے ابھرتا ہے

تو ہی ہے ظلم کے پنجے کو موڑنے والا یزیدیت کا سرِ نحس توڑنے والا
درندگانِ بلا کو جھنجھوڑنے والا مصیبتوں کی کلائی مروڑنے والا
پہاڑ سے بھی ثباتِ قدم زیادہ تھا
دلِ حسین تھا۔ اللہ کا ارادہ تھا

وہ دور جس میں کہ فاسق بنا ہوا تھا امام نہ حق کا دین تھا سالم۔ نہ ملتِ اسلام
محرمات تھے جائز۔ امورِ خیر حرام عبادتوں کو نمازی بھی کر چکے تھے سلام
جو شے حجاب کی تھی۔ بے حجاب جائز تھی
لہو حلال ہوا تھا۔ شراب جائز تھی

وہ بدعتیں تھیں روا دین میں۔ معاذ اللہ کہ تذکرے سے بھی جن کے حیا کو ہے اکراہ
نہ تھے رسول۔ نہ اس دم صحابہؓ ذی جاہ بس ایک دم تھا ترا اے علی کے نورِ نگاہ
ابھر رہا تھا جو فتنہ۔ دبا دیا تو نے
شہید ہو کے عدو کو مٹا دیا تو نے

کیا وہ کام کہ پایا لقب حسین شہید خطاب تیرے عدو کا ہوا یزید پلید
حسین طالبِ نصرت ہے آج پھر توحید کہ اس زمانے میں پیدا ہوئے ہیں لاکھ یزید
نہیں جو فرق حرام و حلال میں باقی
عجب کی جا ہے کہ ماضی ہے حال میں باقی

خزاں کا دور ہوا گلشن شریعت میں دخیل ہو گئے کانٹے چمن کی نزہت میں
نکالتے ہیں جو شاخیں اصولِ ملت میں روا ہے کب یہ روش باغباں کی غیبت میں
چمن چمن جو یہ باغی ہیں بار پاتے ہوئے
کلی کلی ہے شگوفوں سے خار کھاتے ہوئے

عجیب تر ہے یہ اندازِ گلشنِ ایماں وہی اصول کے پودے فروع کی کلیاں
وہی حدیث، وہی آیتیں، وہی قرآں مگر فضا ہے نہ وہ جانفزا، نہ اب وہ سماں
اگر کھلا بھی ہے گلشن تو خوشگوار نہیں
بہار میں بھی ہمارے لئے بہار نہیں

یہ داستانِ اَلَم خاص و عام کی سنیے
نظر سے دیکھی ہوئی صبح و شام کی سنیے
نہ داد دیجیے چاہے کلام کی۔ سنیے
یہ شاعری نہیں۔ باتیں ہیں کام کی سنیے
نہ ذکرِ گل نہ بیاں چرخ کی دو رنگی کا
یہ مرثیہ ہے دلیروں کی خانہ جنگی کا

ہوئی ہے فرقہ پرستی کی عام بیماری
خدا کے نام پہ ملت میں جنگ ہے جاری
جواب دے ہمیں دنیائے زندگی ساری
پیامِ امن ہے مذہب کہ حکمِ خونخواری
خدا کی خلق کو کیوں آدمی تمام کرے
وہ دین ہی نہیں ہرگز جو قتلِ عام کرے

وہی ہے چشمِ بصیرت میں دینِ ربانی
جو بغض و فتنہ و شر کا ہو دشمنِ جانی
کرے بحدِ تمدن، صلاحِ انسانی
تعصبات کے چشموں پہ پھیر دے پانی
بتائے اس کو نظر سے جو امر مشکل ہے
سکھائے صرف عمل سے، یہ حق وہ باطل ہے

وہی ہے دین حقیقت میں انقلاب انگیز
جسے ہو عدل سے رغبت تو ظلم سے پرہیز
ہمیشہ خلق کا پہلو۔ مجادلے سے گریز
ہر ایک لفظ ہو رخشِ خیال کو مہمیز
یہ کیا کہ رُخ پہ فقط رنگِ اضطراب آئے
مزہ تو جب ہے کہ روحوں میں انقلاب آئے

وہی ہے دین کہ جس کی ہوں شفقتیں عملی
سزا بھی دے تو بطورِ ہدایتِ ازلی
نظامِ امن کی رہبر تھی ذوالفقارِ علی
چلی ضرور مگر سرکشوں کے سر پہ چلی
خطابِ سیلیِ استاد۔ انتقام نہیں
جہاد جنگِ دفاعی ہے۔ قتلِ عام نہیں

یہ حق کا راز زباں سے تو ہے سبھی کو قبول
کہ اتحاد ہے توحید کے چمن کا پھول
مگر زراہِ عمل ہوگیا ہے یہ معمول
کہ زید و عمرو کی بحثیں ہیں فاضلوں میں فضول
کبھی نماز کے انداز پر جھگڑ بیٹھے
کبھی اذان پر ڈنکے کی چوٹ لڑ بیٹھے

یہ سورما جو الجھتے ہیں رات دن باہم — نبی کے خُلق سے ہیں منحرف خدا کی قسم
بہم تھے جبکہ یہ ذرّے ہَوا تھی صرصرِ غم — بکھر گئے تو ملا خاک میں وفا کا بھرم

جہاں بسائے تھے الفت کے جوش ایسے تھے
دلوں میں گھر تھے یہ خانہ بدوش ایسے تھے

طبیبِ دینِ مسیحا تھے جو بہ ہشیاری — ہوئی نفاق کی اب ان میں عام بیماری
جو شر بڑھانے کی باتیں وہی روا ساری — وہ ناروا ۔ جو پیمبر کی تھی رواداری

نہ وہ خلوص نہ ویسے کہیں نمازی ہیں
دمِ فرار ہیں آگے اب ایسے غازی ہیں

یہ منچلے جو یگانوں کا خوں بہاتے ہیں — بڑے غیور ہیں غیروں کی مار کھاتے ہیں
جری ہیں ایسے کہ کمزور کو دباتے ہیں — مقابلہ ہو قوی سے تو سر جھکاتے ہیں

یہ مصلحوں کے عدو مفسدوں کے ساتھی ہیں
جو اپنی فوج کچل دے یہ ایسے ہاتھی ہیں

عبادتوں میں بھی ان کے عجیب ہیں انداز — زباں پہ حمد تو دل میں خیال نغمہ وساز
کبھی بجایا جو باجا کسی نے وقتِ نماز — بپھر کے توڑ دی نیت بگڑ گئے جاں باز

تُلے جہاد پہ حمد وثنا کو بھول گئے
خودی تو دیکھو نمازی خدا کو بھول گئے

مٹا رہے ہیں وہ خُلقِ حَسَن کا سرمایا — کہ جس سے دینِ خدا کو نبی نے چمکایا
اِسی صفت کا ہے خالق نے وصف فرمایا — اِسی کی شان میں خُلقِ عظیم ہے آیا

اسی سے مِلّتِ احمد کی شان باقی ہے
خدا کی شان نبی کا نشان باقی ہے

اسی کی وجہ سے زندہ ہے ملّتِ اسلام — پیے ہوئے تھے علی ولی اسی کا جام
اسی کے دم سے زمانے میں ہے حَسَن کا نام — اِسی سے تھا تہِ خنجر حسین کو آرام

فراتِ دہر کا پانی سبھی کو پینے دو
یہی ہے رازِ بقا دوسروں کو جینے دو

نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و خمس و جہاد — تمہیں جو رہ گئے لے دے کے چھ فریضے یاد
غضب کی جا ہے کہ بھولے نبی کا یہ ارشاد — کہ ہے عبادتِ حق بعد۔ پہلے حقِ عباد
ہر ایک اطاعت خالق کی ہے قضا ممکن
یہ فرض ہو جو قضا پھر ادا ہے ناممکن

خدائے عزّ و جل جو کہ ہے رحیم و غفور — جو لاکھ جرم بھی ہو جائے تو بخش دے گا ضرور
مگر کیا ہے اگر بندگانِ حق کا قصور — تو پھر ہے اس کی عدالت سے رحم کوسوں دور
نجات ایسے گناہوں سے زینہار نہیں
قسم خدا کی خدا کو بھی اختیار نہیں

حقوقِ ناس جو ہیں اس قدر عظیم الشاں — بنے کتاب۔ مفصل کریں جو ان کا بیاں
یہ مختصر ہے کہ مشتق ہے انس سے انساں — ہر اک سے انس جو رکھو بنو انیسِ زماں
جو یوں رہو تو شرافت کی شان رہتی ہے
کہ جیسے دانتوں کے اندر زباں رہتی ہے

جیو نبی کی طرح تم کو ہے اگر جینا — یہ خُلق تھا کہ عدو سے بھی صاف تھا سینا
نہ اپنے سے تھی عداوت نہ غیر سے کینا — جو آیا جان کے لینے کو اُس کا دل چھینا
ہر اک سے یوں متواضع سدا حضور رہے
انھیں بھی پاس بٹھایا جو حق سے دور رہے

یتیم و بیوہ و محتاج و مفلس و نادار — سبھی کے واسطے دربارِ فیض تھا دربار
جو آتے اہلِ کدورت کبھی پئے تکرار — بچھا کے اپنی عبا دھو دیا دلوں کا غبار
یہ خُلق دیکھ کے خالق کا دین بڑھنے لگا
جہاں نے کلمہ پڑھا۔ حق درود پڑھنے لگا

زہے خصائلِ اصحاب و آلِ عرش وقار — وہ رحم وجود و عطا وہ تواضع و ایثار
دمِ جہاد بھی ان غازیوں کا تھا یہ شعار — ہُوا عدو بھی جو سائل تو بخش دی تلوار
نہ خاص تھا کسی بندے سے فیض عام اُن کا
جبھی تو دستِ خدا خَلق میں ہے نام اُن کا

وہ جب نہیں تھے تو ہستی کی کون ہستی تھی | ترقیوں کی یہ بستی عدم میں بستی تھی
گراں تھی حق طلبی، جنسِ کفر سستی تھی | خدا کے گھر میں بھی واللہ بُت پرستی تھی
جو باخدا ہے نہ کیوں ان کو ناخدا سمجھے
بہک بہک کے بھی بندے جنہیں خدا سمجھے

وَلی تھے ایسے کہ مدحت میں اِنّما آیا | جَری تھے ایسے کہ لاسیف ولافتا آیا
کبھی جمال کی حسرت میں وَالضُّحیٰ آیا | کبھی عطا کی تمنّا میں ھَل اَتیٰ آیا
نہ اہلِ دل کہیں ایسے، نہ تھے جَری ایسے
خدا کے نام پہ سر دے دیے سخی ایسے

ہوئے تھے خلق جو وہ باخدا عطا کے لیے | عطا تھی ان کی ہر اک بندۂ خدا کے لیے
جسے دوا نہ ملی دردِ لادوا کے لیے | ملے مراد کے موتی جب۔ ان سے جا کے لیے
ہُوا کلی کا جو خواہاں۔ اُسے بہار ملی
جو ایک نان کا طالب ہوا قطار ملی

جو خضرِ راہ تھے اُن کی وہ تھی رواداری | جو پیرووں میں ہیں اُن کے یہ اِنکی خونخواری
قدم قدم پہ ہے جنگ وجدل کی تیاری | غضب ہے بھائی سے کرتا ہے بھائی غدّاری
بپھر بپھر کے جو آپس میں جنگ کرتے ہیں
مخالفوں کو جلاتے ہیں آپ مرتے ہیں

جو دینِ حق کے معاون ہیں وہ رہیں دلشاد | جو اتحاد کے دشمن ہیں جلد ہوں برباد
بھلا یہ سمجھیں گے کیوں کر محلِّ صلح وجہاد | سیاستِ عَلَوی کا سبق نہیں جب یاد
مٹا رہے ہیں یہ ملّت کو جنگ کر کر کے
علی نے جس کی بچائی تھی جان مر مر کے

کہے یہ کون عدو گھات میں ہیں نادانو | یہ جنگ چھوڑ دو آپس کی اب کہا مانو
لڑا رہے ہیں جو موذی تم ان کو پہچانو | اِن آستیں کے سانپوں کو دوست کیوں جانو
ارے جنہوں نے تمہیں بے چھری حلال کیا
اُنہیں کے دم میں تم اب آگئے۔ کمال کیا

بھرا ہے درسِ اخوّت سے خود کلامِ مجید
عمل سے کر گئے اصحاب و آل بھی تائید
جواب دو کہ پھر آپس میں کیوں ہے جنگ شدید
ہوئی جو تم میں دوئی۔ سمجھو مٹ گئی توحید

لڑو فروع پہ ناحق نہ مصطفیٰ کے لیے
اصولِ دیں کی حفاظت کرو خدا کے لیے

پھرے ہیں حق سے جو کچھ دینِ پاک کے بدخواہ
لڑاتے رہتے ہیں امّت کو یہ معاذاللہ
بحسبِ مصلحت خود بحرصِ دولت و جاہ
بنے ہیں سنگِ رہِ اتحاد یہ گمراہ

فساد سے جہلاء میں جو نام پاتے ہیں
شگوفہ چھوڑ کے پھولے نہیں سماتے ہیں

فریب دے کے ریاکار کام لیتے ہیں
حلال کرتے ہیں مالِ حرام لیتے ہیں
کبھی جو خدمتِ قومی کا نام لیتے ہیں
شکارِ حرص و ہوس ہیں کہ دام لیتے ہیں

جناں کی چاہ نہ حاجت سقر سے ڈرنے کی
انہیں تو فکر ہے دوزخ کو اپنے بھرنے کی

سروں میں گو کہ ہے تعمیرِ قوم کا سودا
مگر بڑھاتے ہیں جھگڑے بجائے جوشِ ولا
ہوئی انہیں کے قدم سے یہ کشمکش پیدا
عمومیت میں مجالس کی جس سے فرق پڑا

نبی کے لاڈلے محسن جو دینِ رب کے ہیں
نہیں کسی کے وہ مخصوص بلکہ سب کے ہیں

کسی گروہ سے کب خاص ہے عزائے حسین
نظر میں سب کی ہیں وہ برگزیدۂ ثقلین
سوارِ دوشِ نبی کیا نہ تھے بہ زینت و زین
علی کے ماہ لقا فاطمہ کے نور العین

رسول کہتے تھے میں خوش انہیں کے چین سے ہوں
حسین مجھ سے ہے میرا تو میں حسین سے ہوں

کہا حسین کو جب مصطفیٰ نے اپنی جاں
تو پھر حضور ہی اسلام کی ہیں روحِ رواں
اٹھا تھا کفر کا جب ملکِ شام سے طوفاں
انہیں نے بڑھ کے سنبھالی تھی کشتیِ ایماں

ہوئے شہید جو امت پہ گھر فدا کر کے
نبی کا دین بچایا خدا خدا کر کے

ہزار ظلم سہے مُنہ سے اُف نہ کی اک بار — کہ تھے مجسمۂ خُلقِ احمدِ مختار،
دنیا میں فرد۔ سراپا مروت و ایثار — خدا کے عاشق جانباز۔ صادق الاقرار
مصیبتوں میں نہ دب کر رہے نہ ڈر کے رہے
مگر زبان سے جو کہہ دیا تھا کر کے رہے

یہی شرف نہیں خالی کہ تھے نبی کے لال — عمل سے اُن کے ہے راسخ دلوں میں جاہ و جلال
اگرچہ گزرے شہادت کو سیزدہ صد سال — مگر قلوب میں بیٹھا ہے سکۂ اقبال
نہیں وہ آج مگر ان کا کام زندہ ہے
جب ان کا کام ہے زندہ تو نام زندہ ہے

جب ان کے غم میں ہو مصروف آہ و زاری میں — تو ان کی شان بھی دکھلاؤ غم گساری میں
مقابلے کی ہوس ہو جو بے قراری میں — حریف حُر کے بنو شوقِ جاں نثاری میں
غضب ہے تم رہِ علم و عمل سے بھاگے ہو
حسین کا تو سپاہی وہ ہے جو آگے ہو

بپا جو کرتے ہو مجلس شہِ ہدا کے لیے — اشاعتِ غمِ مظلومِ کربلا کے لیے
نہیں ہے صرف یہ دم بھر کی واہ وا کے لیے — یہ مدرسہ بھی ہے اک دینِ مصطفیٰ کے لیے
نہیں یہ بزم ہدایت کا باب ہے گویا
حسین علم و عمل کی کتاب ہے گویا

زباں سے کرتے ہو دعویٰ حسینیت کا اگر — دکھاؤ کچھ تو حسینِ شہید کے جوہر
سجو وہ اسلحہ جس پر فدا ہو فتح و ظفر — ثباتِ عزم کی تلوار لو۔ حیا کی سپر
جو حیدری ہو تو ہمت کرو۔ دلیر بنو
بڑھو۔ نہ بڑھ کے ہٹو۔ بڑھتے جاؤ۔ شیر بنو

گھٹا رہے ہو جو آپس کی جنگ میں طاقت — یہ کسب رزق میں گر خرچ ہو۔ مٹے نکبت
اجڑ چکی ہے تمہاری جو قوم کی دولت — اسی لیے تو حزین و ملول ہے ملت
نہیں جو زر تو کبھی اوج پا نہیں سکتے
بغیر نقد کے سکہ جما نہیں سکتے

کتاب رب میں بھی آیا ہے مال کا مذکور
یہ ہے حیات کی زینت بقولِ ربِّ غفور
گدا کی حمد ہے اکثر درِ قبول سے دور
کہ لب وظیفہ میں سرگرم ۔ دل میانِ تنور
سکوں کے ساتھ میسر نہ ہو جو کھانا بھی
تو بھول جاتے ہیں تسبیح مردِ دانا بھی

جو علم دیکھو تو ہم میں ہر اک ہے فرزانہ
عمل جو دیکھو تو ہے ذی خرد بھی دیوانہ
یہ ابتری ہے کہ گھر میں نہیں ہے اک دانہ
پھر اس پہ لطف یہ ہے خصلتیں ہیں شاہانہ
رہی نہ قوتِ احساس خوش مذاقوں میں
پکارہے ہیں خیالی پلاؤ فاقوں میں

ہمیں غریبوں کی حالت کا کچھ نہیں احساس
یہ بےحسی ہے حقیقت میں عقل کا افلاس
وہ گرچہ اب نہیں افراطِ زر ہمارے پاس
مگر گئی نہیں مرجھائے پھول کی بو باس
نہ ذکرِ حال نہ فکرِ مآل سے خوش ہیں
قفس میں رہ کے چمن کے خیال سے خوش ہیں

وہ ذی خرد جو دکھاتے تھے راہِ آزادی
خلاف عقل ہوئے ہیں رسوم کے عادی
رچاتے ہیں کسی دلبند کی اگر شادی
تو گھر لٹاتے ہیں بر وقت خانہ آبادی
ادا رسومِ جہالت تمام کرتے ہیں
خدا کے حکم میں شامل حرام کرتے ہیں

اگر ہے بیاہ پسر کا بفضلِ ربانی
ضیافتوں میں یہ کرتے ہیں اپنی قربانی
خوشی کے جوش میں ہوتی ہے ایسی مہمانی
کہ جس کے بعد نہ کنبے کو مل سکے پانی
تباہ ہو کے بھی برباد کن عمل نہ گئے
اگرچہ جل گئی رسی تمام ۔ بل نہ گئے

بوقتِ رخصتِ دختر ہے بخت کا رونا
وہ قرض لے کے مہیا جہیز کا ہونا
وہ ایک گھر کے بسانے کو ایک گھر کھونا
حرام وہ زر و زیور کی فکر میں سونا
یہ خودکشی ہے سراسر ۔ ادائے فرض نہیں
متاعِ زیست کو گھن لگ گیا ہے قرض نہیں

مقامِ غور ہے اے امتِ حبیبِ خدا
جہیز بنتِ رسولِ حجاز تھا کتنا
پیالہ، جوشن، و مشکیزہ، آسیا و ردا
یہ پانچ چیزیں تھیں اور ایک دولتِ عقبیٰ
نہ مال و زر تھا۔ نہ سامان زیب و زینت کا
حیا کا پہنے تھیں زیور۔ لباس عصمت کا

ہم اُن کے شیوۂ صبر و رضا کو بھول گئے
رسومِ بد میں پھنسے۔ ارتقا کو بھول گئے
قدیم وضع کے بندے خدا کو بھول گئے
جدید رنگ کے شیدا حیا کو بھول گئے
برائے نام جو وہ روز و شب نماز میں ہیں
یہ بے حجاب ہمیشہ سرود و ساز میں ہیں

پڑھا جو علمِ زباں۔ بد زبانیاں سیکھیں
بنے ادیب جو فرضی کہانیاں سیکھیں
بقصدِ شعر جو رنگیں بیانیاں سیکھیں
ہوئے کلیمِ زماں۔ لن ترانیاں سیکھیں
ثنائے حسنِ صنم بے حجاب کرنے لگے
زمینِ شعر کی مٹی خراب کرنے لگے

لکھے وہ شعر مٹی جن سے شانِ خودداری
رواج پا گئے افعال ذلت و خواری
وہ بزمِ یار وہ غیروں کی گرم بازاری
وہ بسملوں کا تڑپنا۔ وہ گریہ وزاری
گلی میں اس کی ہوں رسوا، یہ کام ہے اپنا
یہی غزل ہے، تو اس کو سلام ہے اپنا

وہ خوش مذاق سلف میں جو تھے فدائے غزل
کچھ اور کہنے کے خواہاں تھے خود بجائے غزل
تبھی تو کہتا ہے غالب جو تھا خدائے غزل
"بقدرِ ذوق نہیں ظرف تنگنائے غزل"
وہ مبتلائے قفس کچھ جو پیش و پس نہ چلا
تڑپ کے قید میں بس رہ گیا کہ بس نہ چلا

یہ گیت دور میں شاہی کے گائے جاتے تھے
کہ حریت کے اثر جب مٹائے جاتے تھے
سرور و عیش کے جلسے سجائے جاتے تھے
پلا پلا کے یہ جذبے دبائے جاتے تھے
نہ اس نشاط کی حاجت نہ اس ترانے کی
ضرورت اب تو ہے جانبازیاں دکھانے کی

سناؤ شراب ایسے کہ روح ہو بیدار
خبر ہے کچھ کہ زمانہ ہے برسرِ پیکار
رہِ بقا میں تقابل کا گرم ہے بازار
وہ طبلِ جنگ بجا۔ ہاں سپاہیو ہشیار

ہوائے تند کا جھونکا بصد شتاب آیا
اٹھو اٹھو کہ لبِ بام آفتاب آیا

وہ انقلاب نے رنگِ جہاں بدل ڈالا
مدارِ گردشِ ہفت آسماں بدل ڈالا
ہوا نے ذوقِ بہار و خزاں بدل ڈالا
گلوں نے قاعدۂ گلستاں بدل ڈالا

سکھائے طرز وہ بلبل کو نغمہ خوانی کے
کہ جن سے پھول کھلیں باغِ زندگانی کے

انہیں جلاؤ جو فاقوں کے غم سے مرتے ہیں
عجب بلا میں غریبوں کے دن گزرتے ہیں
نہ محنتوں سے نہ مزدوریوں سے ڈرتے ہیں
یہ بھائی بندوں کے طعنوں کا خوف کرتے ہیں

بڑھے چلو جو انہیں راہ سے لگائے ہوئے
نہ پھر رکیں گے کہ ہیں شیر چوٹ کھائے ہوئے

یہ ننگ و عار ہے کیوں کاروبار سے بیکار
اسے حقیر نہ سمجھو جو تھا سلف کا شعار
زرہ بناتے تھے داؤد نوح تھے نجّار
گواہ اس کا ہے کعبہ خلیل تھے معمار

جفاکشی ہی سے موسیٰ نے برتری پائی
چرانے آتے تھے بھیڑیں۔ پیمبری پائی

نہ تھے کسی کے ملازم وہ خُلق کے ہادی
رگوں میں خون کے بدلے بھری تھی آزادی
رعونتوں سے بری۔ انکسار کے عادی
لباسِ فقر میں شاہوں کی شان دکھلادی

نہ مسندوں پہ نہ تکیوں پہ محوِ خواب ہوئے
زمیں پہ سوگئے پڑ کر۔ ابو تراب ہوئے

وہ دیکھو چشمِ تصور ذرا جھکائے ہوئے
کھڑے ہیں کون پسینے میں یہ نہائے ہوئے
وہ ہیں بغل میں نبی بیلچہ دبائے ہوئے
وہ بوتراب ہیں مٹی کا بوجھ اٹھائے ہوئے

کما رہے ہیں وہ محنت سے شام کی روزی
کہ جن کے ہاتھ میں ہے خاص و عام کی روزی

سنو تو گردشِ دوراں یہ کیا سناتی ہے
یہ کس کے گھر سے صدا آسیا کی آتی ہے
یہ کون صاحبِ عصمت کڑی اٹھاتی ہے
جو چکی پیس کے شوہر کا غم بٹاتی ہے
نہیں ہے یہ کسی ادنیٰ فقیر کی بی بی
یہ فاطمہ ہے جنابِ امیر کی بی بی

لگے ہیں کام میں اپنے سبھی امیر و کبیر
غضب ہے اُن کی یہ غفلت جو ہیں فقیر و حقیر
یہ اب بھی ہوش میں آئیں تو جاگ اٹھے تقدیر
جو بات بگڑی تو پھر بن نہ آئے گی تدبیر
بہا جو نہر سے ۔ پھر کر نہ پھر وہ آب آیا
کبھی سنا ہے کہ پیری گئی شباب آیا

نمودِ حشر ہے یارب نبی کی امت میں
ابھر رہے ہیں مرض چارہ گر کی صورت میں
جو اب بھی رحم نہ کھائے گا تو مصیبت میں
تو پھر امام کو بھیجے گا کیا قیامت میں
یہ انتظار نہ ٹھہرا کوئی بلا ٹھہری
"کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری"

مٹے یہ ہجر کا غم ساقیا شراب پلا
جو مُردہ دل کو جِلا دے وہ مے شتاب پلا
جو غفلتوں کو جلا دے وہ آفتاب پلا
نسیم جوش میں ہے پھول دے گلاب پلا
پلا بھی اتنی کہ لطف ایک بار آ جائے
اڑے چمن میں گلابی بہار آ جائے

وہ آج چشمۂ آبِ بقا ہو پھر جاری
ترے لہو کی قسم ۔ جو ہے روح بیداری
ہر ایک موج میں بہہ جائیں کلفتیں ساری
ہر ایک بوند ہو غفلت کے حق میں چنگاری
وہ مے جو دین کی رگ رگ میں ہے سمائی ہوئی
نبی سے صاحبِ تقویٰ کی پی پلائی ہوئی

وہ مے پلا دے ۔ جو عمارِ ذی وقار نے پی
وہ مے جو بوذر و سلمان جاں نثار نے پی
اویس و زید نے تمارِ نامدار نے پی
اذاں کے وقت بلالِ وفا شعار نے پی
عجیب صاحبِ قسمت وہ پینے والے تھے
نبی کا دَور تھا ۔ آیات کے پیالے تھے

وہ مے پلا جو حبیب ملک خصال نے پی
بریر و وہب نے پی بدرِ خوش جمال نے پی
حُرِ دلیر نے پی ۔ عابس و ہلال نے پی
زہیرِ قین نے پی۔ عوسجہ کے لال نے پی
اسی کے جوش میں کھا کھا کے زخم جھومتے تھے
زمیں پہ گر کے بھی ساقی کے پاؤں چومتے تھے

اسی شراب کے طالب ہیں آج پھر میخوار
کہ جس پہ عون و محمد ہوئے خوشی سے نثار
رہے گا یاد وہ بچپن کا جوش وہ ایثار
قریب نہر کے پیاسے گذر گئے جرار
نہ کم سنوں میں یہ ہمت نہ یہ وفا ہوگی
نہ رُخ کیا سوئے دریا کہ ماں خفا ہوگی

وہ مے پلا جسے پیتے تھے قاسمِ گلرو
وہ مے کہ جس میں ہے عطرِ عروس کی خوشبو
وہ پاک مے جو ہوئی صبحِ قتل صرفِ وضو
چھلک گئی تو شفق تھی، ٹپک گئی تو لہو
رہی جو شیشۂ دل میں تو ہوش بن کے رہی
ابل پڑی تو شہادت کا جوش بن کے رہی

پییں گے اب تو یہ میکش وہ جام بے وسواس
عطش میں جس سے تھے سیراب ثانیِ الیاس
بھڑک اٹھی تھی جو ٹھنڈی ہوائے نہر سے پیاس
وفا یہ کہتی تھی پیہم کہ صبر کر عباس
وہ آج پیاسے ہیں۔ دریا تمام ہیں جن کے
انہیں پلا کے پییں گے غلام ہیں جن کے

پلا وہ جام کہ اکبر کا جس سے تھا یہ حال
گڑا جو سینے میں نیزہ، ہوئے نہ غم سے نڈھال
پر اپنے وعدے کا اتنا تھا باوفا کو خیال
کہا یہ شہ سے دمِ نزع بھی بحزن و ملال
الم نہیں جو یہ برچھی ہزار بار چلے
مگر یہ غم ہے کہ صغرا سے شرمسار چلے

بیاں ہو کیا ترے صہبا کی ساقیا تاثیر
جوان و پیر کا کیا ذکر محو تھا بے شیر
کہاں وہ ننھی سی گردن کہاں سہ پہلو تیر
صغیر چپ ہی رہا گو کہ رو دیے شبیر
دکھا دیا کہ بہادر کڑی کو جھیلتے ہیں
علی کے لاڈلے یوں ناوکوں سے کھیلتے ہیں

عجیب مے ہے یہ پروردۂ ذبیح خلیل کہ جس کے نشے میں فرما رہے تھے شاہِ جلیل
لہو کے پینے کو تیغو بڑھو بصد تعجیل خدا کی راہ میں پیاسے نے یہ رکھی ہے سبیل
بہا کے خون ۔ سو امیری آبرو کر دو
علی کے لال کو نانا سے سرخرو کر دو

مقام غور ہے اے دوستو یہ ظلم سیاہ وہ لاکھ ظلم کی تیغیں وہ اک علی کا ماہ
وہ فکرِ اہلِ حرم وہ عطش سے حال تباہ وہ لاشۂ پسرِ نامراد پیشِ نگاہ
نظر کے سامنے ہر نورِ عین کو مارا
رلا رلا کے عدو نے حسین کو مارا

جبیں کے چومنے کو لاکھ تیر آتے تھے خوشی سے تیغوں کو حضرت گلے لگاتے تھے
فرس پہ ضعف کی شدت سے غش جو کھاتے تھے کبھی سنبھلتے تھے اور گاہ ڈگمگاتے تھے
پکارتے تھے کمک اب مدد کرو عباس
فرس سے گرتے ہیں مولا اتار لو عباس

ادھر کھڑی تھیں جو زینب قریب پردۂ در یہ نوحہ سن کے تڑپ کر نکل پڑیں باہر
فرس سے گرتے ہوئے شہ نے دی ندا رو کر نہ رن میں آئیے گھر کو سنبھالیے خواہر
مریضِ غم کو ہمارا سلام کہہ دینا
سلام کہہ کے یہ غم کا پیام کہہ دینا

ہمارے بعد مصیبت ہو یا ملال رہے مگر زباں پہ فقط شکرِ ذوالجلال رہے
پہاڑ غم کے اٹھا کر بھی دل بحال رہے یہ امتحان ہے بیٹا ذرا خیال رہے
پسِ وفات بھی ذکرِ حیات رہ جائے
وہ کیجیو کہ بزرگوں کی بات رہ جائے

جو ہم سے اٹھ نہ سکے تم وہ غم اٹھا لینا چھنیں حرم کی ردائیں تو سر جھکا لینا
جو تازیانے بھی ماریں شقی تو کھا لینا مگر سفینۂ امت کو تم بچا لینا
کوئی بزرگ نہ اب ہے نہ خورد ہے بیٹا
نبی کا دین تمہارے سپرد ہے بیٹا

ہجومِ غم میں حدوں سے بڑھا جو شوقِ وصال　　حسین محوِ عبادت ہوئے بہ استقلال
اٹھے نہ سجدے سے۔ گو کر دیا شقی نے حلال　　نہ تڑپی لاش بھی اعدا نے جب کیا پامال
مگر حرم کی صدا سنتے ہی مچلنے لگے
کسی کا سر جو کھلا کروٹیں بدلنے لگے

ہماری جان ہو قربانِ صبرِ زینِ عبا　　جنھوں نے آنکھ سے دیکھی یہ ماں پھپی پہ جفا
خیامِ پاک میں بے اِذن آ گئے اعدا　　جلا بتول کا گھر چھن گئی حرم کی رِدا
یہ ظلم و جور ہے جائز کہاں زمانے میں
بندھی ہوئی تھی رسن بی بیوں کے شانے میں

دوہائی دیتی تھی یہ بیکسی بحسرت و یاس　　کہاں ہو اے جگر و جانِ کشتۂ الماس
کہاں ہو اے علی اکبر غیور و نیک اساس　　کہاں ہو عون و محمد، کہاں ہو اے عباس
لرز رہی ہے زمیں اب قیامت آتی ہے
اٹھو اٹھو کہ سکینہ طمانچے کھاتی ہے۔